INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 4, ISSUE 2, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

اردو ناول میں تصورِ عورت

THE CONCEPT OF WOMAN IN URDU NOVELS

Dr. Uzma Noreen
Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

Lecturer, Department of Urdu, Government College Women University, Sialkot, Pakistan

Abstract

From the very beginning, women's problems have been presented in Urdu novels from different angles. The gradual changes that have taken place in human society due to the effects of modern education are also reflected in the novels. The clash of civilizations and the patterns of modern lifestyle are also seen. Domestic accidents and incidents and the real experiences of housewives are also an important part of the novel. Deputy Nazir Ahmed was the most aware of the need and importance of women's reform among his contemporaries. He was seeing that even the women class was not safe from the moral degradation and social degradation of the feudal and landlord era. Therefore, he tried to find the causes of their degradation and their problems. Rashid Ul-Khairi also painfully reflected the atrocities and injustices that were perpetrated on women in society in his novels. He emphasized the education of women in most of his novels. He presented domestic complications and the relationship between men and women prominently in his novels. Women's problems are also clearly visible in Krishna Chander's novel 'Shikast'. Through his character 'Vanti', the social status of women is clearly visible to a large extent. He presented the social problems of traditional women through Vanti. After the middle of the twentieth century, there was a surge in support for women, which remained until the end of the century. Even in the novels being written in the twenty-first century, the problems faced by women have been well raised.

Keywords: *Deputy Nazir Ahmed, Domestic Accidents, Experiences Of Housewives, Krishna Chander, Rashid Ul-Khairi, 'Shikast', Urdu Novels, Vanti*

Corresponding Author: Dr. Uzma Noreen (Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot.)
Email: Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

عورت کے بارے میں بات کی جائے تو یہ شاعروں کے دیوانوں، علما کی فصاحت، اہلِ نظر کے تصورات اور اہلِ زباں کی مہارت غرض ہر چیز اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کا سب سے قدیم اختلافی موضوع ہے۔ جیسے آدم اور حوا،بائبل کی مریم اور یونانی مائیتھا لوجی کی پینڈورا سے لے کر آج تک کئی تہذیبی اقوام اور مذاہب اپنے انجام کو پہنچیں اور ہر عہد میں مفکرین، مصلحین، مبلغین اور ناقدین کے ہاں عورت ذات پر بہت کچھ لکھا گیا لیکن عورت سمجھ میں نہ آسکی۔ وجہ یہ ہے کہ عورت کی حقیقت کو ہمیشہ تصور ہی کی آنکھ سے دیکھا جاتا رہا۔اس کو سمجھنے کے لیے مختلف آسمانی کتب، قرآن، صحائف،حمورابی کے کتبے، اشوک کی لاٹھ،اختبا کے غاز، بدھا کے اشٹ مارگ، منو کے پنج ننتر،تاؤ کا فلسفہ، زرتشت کی ادستبا،کنفوشس کا نظریہ، مسیح کی گواہی، جالینوس، فیثا غورث، بطلیموس، اقلیدس، لقمان، سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، ابن سینا، عطار، رومی، رازی، خیام، جامی، سعدی، فرینکلن، ریوٹن، کولج، بیٹن، ہیوگو، بائرن، ہائینز، رسکن، والٹیر، بنسٹیلے،آرتھر کور، شیکسپئر، دانتے، تلسی، خسرو، میر، غالب، جوش، فیض غرض ہر ایک عورت کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اس طرح ا س کو دیکھ کر کسی کے دل سیپارہ ہو جاتے ہیں ۔ کسی کو اس کی زلفیں ناگن اور کسی کو گھنگھور گھٹائیں اور ساون کی بدلی نظرآتی ہیں۔ان کی نیم باز آنکھوں میں مے خانہ نظارہ آتا ہے۔اس کے پلکیں گرنے اور اٹھنے کا نام قضا رکھا جاتا ہے۔ اس کے گلابی عارض بنارس کے دھنک رنگ نظرآتے ہیں، اس طرح اس کے چہرے کے سیاہ تل پر سمرقند اور بخارا قربان کیے جاتے ہیں۔اس طرح اس مرد نے اس کے روپ نکھار کر دلوں کے استھان پر بٹھایا۔ اس کے قدموں میں چنبیلی اور گلاب کے پھول بکھیرے۔اس کے گرد مشک،عنبر اور لوبان کا چھڑکاؤ کیا۔ اس طرح چراغ جلا کر آرتی اتاری اور پھر اسی کو دیوی بنا کر اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہوا۔ اس طرح اس کو روم کے بازار میں لایا۔ غرض اس کے بارے میں کی تصورات بنائے گئے۔ عورت کا روپ بدلتا رہا۔ اس کی قیمت بدلتی رہی۔ اس کو بیچنے اور خریدنے والے چہرے تبدیل ہوتے رہے۔ کبھی یہی عورت دیوار میں زندہ چنائی گئی تو کبھی ایک مردہ مرد کے ساتھ چتا پر بیٹھ کر زندہ جلا دی گئی۔ اس عورت کے لیے تاج محل بنایا گیا۔ شیش محل، بارہ دریاں اورقلعے بنائے گئے۔ کبھی ا س کے قدموں پر تخت و تاج قربان کیے گئے۔یہی عورت زندگی کے ہر کام کرتی رہی۔ چکی کات رہی ہے،کھیتوں اور کھلیانوں میں فصل اگاتی ہے، دودھ دھوتی ہے، اُپلے تھاپ رہی ہے،سڑکوں پر پتھر کوٹ رہی ہ،۔ مزدوری کر رہی ہے،جھاڑو دے رہی ہے،انڈی پکا رہی ہے، بچوں کو نہلا رہی ہے، گلیوں میں کنگن بیچ رہی ہے، ڈاکٹرہے، انجنئیر ہے، استانی ہے، پروفیسر ہے، وزیرِ اعظم ہے، وزیرِ اعلیٰ ہے، طالبِ علم ہے، ماں ہے، بیٹی ہے، ، بیوی ہے، بہن ہے، دفتر میں ٹائپسٹ ہے، اشتہار کی ماڈل ہے، فلم کی ایکٹر ہے،ڈائریکٹراور فلم ساز ہے۔

غرض اس کے حوالے سے جتنا بھی کچھ لکھا جائے کم ہے۔ بیوہ، ماں، کنیز، لونڈی اور طوائف بنتی رہی ہے۔ غرض کبھی تو اس کو پوجا ہوتی رہی اور کبھی اس کا استحصال کیا جاتا رہا۔ ظلم و جبر کا شکار کیا جاتا رہا۔ دنیا میں آدمؑ سے لے کے محمد ﷺ تک جتنے پیغمبر آئے ان کے ہاں عزت پاتی رہی وگرنہ کسی اور دھرم میں اس کو کم ہی اعلیٰ درجہ اورعزت ملی۔اس ضمن میں کئی تہذیبوں کے رنگ و آہنگ تبدیل ہوتے رہے۔ ادب میں بھی اس حوالے سے مختلف تصورات بنتے گئے ۔ لیکن ہمارا مقصودناول کی روایت میں عورت کے بدلتے تصورات ہیں۔

اردو ناول کی روایت پر نظرڈالی جائے تو ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں عورت تہذیبی اور معاشرتی سیاق و سباق میں عورت کے کرداراور مسائل کو سے سے پہلے اجاگر کر کے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے اس کومحبوبہ کے کردار سے نکال کر اس کی اہمیت کا درس دیا۔ انھوں نے مقصدیت اور اصلاحی پہلوؤں کو سامنے لا کر عورت کی ذمہ داریاں بتائیں۔ ان کے ناول "مراۃ العروس"اور"بنات النعش"میں عورت کی تعلیم و تربیت اور اس کی اصلاح پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا رہا۔ ہمارے ہاں کھانا پکانا، صفائی ستھرائی، دیکھ بھال، گھر کے اخراجات، مذہب کی تعلیم، دنیاوی تعلیم غرض یہ اور اس طرح کی کئی ذمہ داراں عورت

کے ذمے ہیں۔ نذیر احمد نے عورت کی سلیقہ مندی ، تہذیب اور تنظیم کے حوالے سے قصے کہانیاں بیان کیں۔ ان کے حوالے سے ڈاکٹرافتخار احمد صدیقی کے الفاظ یہ ہیں :

"نذیر احمد کی قصہ گوئی کا محرک قومی اصلاح کا جذبہ تھا۔ ان کے تمام ناولوں میں مقصدی اور اصلاحی پہلو نمایاں ہے۔ لیکن نذیر احمد کی مقصدیت کو عموماً ان کی مولویت کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ توجیہ درست نہیں ہے، ان کی مقصدیت ایک خاص دور کے تقاضوں اور تحریکوں سےتعلق رکھتی ہے۔"مراۃ العروس"اور "بنات النعش"کی تصنیف براہ راست تعلیمِ نسواں کی اس تحریک سے وابستگی کا نتیجہ ہے جو انگریز حکام اور محکمہ تعلیم کے ارکان کے باہمی تعاون سے شروع ہوئی تھی۔"(۱)

یعنی ان کا نقطہ نظریہی ہے کہ عورت کے لیے اتنی تعلیم اہم ہے جس سے وہ اپنے فرائض منصبی کو پہچانے۔ پنڈت رتن نات سرشار جو نذیر احمد کے ہم عصر ہیں۔وہ بھی اسی بنیادی مسئلے "تعلیم اور تربیت" کے حوالے سے زور دیتے ہیں۔ "فسانہ آزاد"کی ہیروئن حسن آراء کی گفتگو ملاحظہ ہو:

"ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم مدرسہ نسواں قائم کریں۔ میں نے لیکچر لکھا ہے۔اگر میاں آزاد اصلاح دیں تو میں کسی دن یہاں کی شریف زادیوں کو جمع کر کے لیکچر دوں۔"(۲)

سرشار کے ہاں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے کئی حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ خواتین کی جائز آزادی کے بارے میں سرشار تاکید کرتے ہیں۔ ان کے خیالات نذیر احمد کے خیالات کے برعکس عورت کی کسی نہ کسی حد تک آزادی کے لیے تھے۔ "فسانہ آزاد"میں بھی حسن آراء میاں آزاد کو خود اپنی پسندیدگی کا پیغام دیتی ہے۔ وہ قدیم جاگیردارانہ نظام کے حوالے سے باخبر تھے کہ وہاں عورت کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص نظام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھی نذیر احمد اور شرر کی طرح عورت کی بنیادی تعلیم کے حق میں ہیں۔ عورت کی معاشرتی ،اجتماعی، تہذیبی اور تربیتی حوالے سے ان تینوں ناول نگاروں کا نقطہ نظر یکساں ہے۔اردو ناول کی تاریخ میں ہماری نظر نذیر احمد اور سرشار کے بعدراشد الخیری پر پڑتی ہے۔ راشد الخیری کے ہاں عورت کے حوالے سے کچھ زیادہ ہی ہمدردانہ نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔ وہ معاشرہ میں عورت کو بلند مقام دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین کے مصائب و مشکلات کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ انھیں نقادوں نے"مصور غم" کا خطاب دیا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ عورتوں کے سرسید کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔اس کے بعد ہماری نظر محمد ہادی رسوا پر پڑتی ہے جو "امراؤ جان ادا"کی صورت میں عورت کے ایک اور انوکھے روپ کو سامنے لائے۔یہ گزشتہ لکھنو کی ایک تباہ شدہ تصویر ہے۔ طوائف ا س معاشرے کا ایک اہم حصہ تھی اور سماجی ذمہ داریوں کی وجہ سے بناؤیا بگاڑ کی بھی ذمہ دار تھی۔ اسی طرح ان کے ہم عصر ناول نگاروں میں نیاز فتح پوری، حجاب علی امتیاز اور قاضی عبدالغفار نے رومانی تحریک کے زیرِاثر عورت کو پہلی بار لذت پرستی اور عشق و محبت کے جذبات سے لبریز دکھایا ہے۔ جہاں عورت مرد کی بےقراری کا وسیلہ بھی بنتی ہے تو کہیں پر وجہ سپردگی بنتی ہے۔کہیں وہ حور بنتی ہے تو کہیں رنگین و سنگین دوست جہاں عشق و محبت کے جذبات ہی سب سے اہم ہیں۔ قاضی عبدالغفار کے"لیلیٰ کے خطوط"میں پہلی بار عورت ارو مرد کے جنسی تعلقات کو سماجی بنیادوں کے حوالے سے دکھایا گیا ہے۔اس حوالے سے عزیز احمد لکھتے ہیں :

"حقیقت یہ ہے کہ اس کاغذی پیرہن میں خراب آباد ہندستان کی نسوانی زندگی کے چند نقوش پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان خطوط کے لکھنے والی لیلیٰ بنت لیلیٰ، پیشہ عصمت فروشی، وطن ہندوستان، سمجھ دار اور زود فہم، چالاک، ذہین، شریر،حرافہ کوئی معمولی بیسوا نہیں وہ ا یک مجسم استعارہ ہے جس کے پردے میں ہندوستان کی زخم خوردہ اور مظلوم نسوانیت احتجاج کرتی نظرآتی ہے۔"(۳)

یہ ایک ایسی بے سوا کی کہانی ہے جن کے ہاں خیال اورحقیقت کا امتزاج نظرآتا ہے۔

پریم چند نے اپنے ناولوں کی حشتِ اول رومانیت کے سائے میں رکھی اور پھر ترقی پسند ی اور حقیقت کے سنگم سے یہ ناول صفحۂ قرطاس پر اتارے۔ عورت کے حوالے سے ان کی خدمات یہ ہیں کہ انھوں

نے روایت پرستی اور قدامت پسندی کے بت کو توڑا۔ عورت کی زبوں حالی کا بھی توڑا اور بیوہ کی دوسری شادی کے خلاف نقصانات کا طلسم توڑا۔اس طرح ہندو دھرم میں بیوہ کو ستی کرنے کی رسم آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں کی عورت اپنے وقت کے لحاظ سے ایک توانا اور مضبوط روپ میں نظرآتی ہے جو ظلم اور ناانصافی کے خلاف سینہ سپر ہو کر سامنے آتی ہے۔مثلاً "بازارِ حسن"کی سمن"غبن"کی جالپا اور "چوگان ہستی "کی صوفیا جو عورت کی بقا اور وجود کے حوالے سے خاصی فعال ہیں۔

پریم چند بعد میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوگئے اور ملک راج آنند، سجاد ظہیر، ایم ڈی تاثر اورراجپوتی پرشاد کے ساتھ مل کر اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس حوالے سے اردو ناول کی روایت میں سجاد ظہیر کا "لندن کی ایک رات"،عزیز احمدکا"گریز"اور عصمت چغتائی کا"ٹیڑھی لکیر"نمائندہ ناول ہیں۔ ان میں سے سجاد ظہیر کے ناول "لندن کی ایک رات"کی کریمہ بیگم ذاتی تعصبات کا شکارہے۔لیکن ا س کے باوجود وہ ذاتی تعصب کو تہذیب کے پردوں میں چھپا کر بات کرنے کا ہنر جانتی ہے۔ ا س کی زبان شعلے برساتی ہےاور ایک توانا آواز بن کر ابھرتی ہے۔ کرشن چندر کے ہاں عورت کے استحصال کو مختلف سطحوں پر ابھارا گیا ہے۔ ان کے ہاں "مہاجنی نظام " کی صورت میں طبقاتی منافرت کی کریہہ صورتیں نظر آتی ہیں۔کرشن چندر کے ناولوں میں عورت کو انسان کی بجائے جنس سمجھا گیا ہے۔اس کسمپرسی کی تصویر ناول "شکست" میں یوں بیان کی گئی ہے:

"راجہ اور لکشمن کنڈ دن کے اجالے میں تھے کہ سیتا کنڈ پر رات کی ہولناکی مسلط تھی اور اسے سیتا دھرتی کی بیٹی کے آخری دن یاد آگئے۔وہ چودہ سال اپنے خاوند کے ہمراہ جنگوں میں گھومتی رہی تھی۔ وہ ایک ظالم راجہ کے چنگل میں پھنس کر لنکا کے ایک باغ میں اپنی عصمت کو بچاتی ہوئی برہ کے دن کاٹتی رہی اور جب وہ برہ کے دن پورے ہو گئے وہ بن باس ختم ہوا۔ تو مسرت کے چند ایام کے بعد ایک جاہل دھوبی کے کہنے پر اس کی زندگی میں پھر ایک بن باس شروع ہوا۔ آخری ابدی بن باس جو ایک دفعہ شروع ہو کر کبھی ختم نہ ہوا۔ اس لیے تو سیتا کنڈ تاریک ہے، خاموش ہے ،اداس ہے،شیام کو احساس ہوا کہ جیسے اس کنڈ میں سیتا کے ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستانی سماج کے عورتوں سے آنسوچھلک رہے ہوں۔ جن کی زندگیاں صدیوں سے تاریک ، خاموش اور اداس ہیں۔ شیام کو اپنے احساس کی تلخی میں بالکل مناسب معلوم ہوا کہ سیتا کنڈ سب سے نیچے بنایا گیا تھا۔ نیلے آسمان کے مسرت بھرے نور سے دور ایک چٹان کی سنگلاخ چھاتی میں چاروں طرف پتھروں کی دیوار کے بچ جہاں روشنی کسی درز سے گزر کر بھی نہ پہنچتی تھی۔ یہی ہندوستانی عورت کی صحیح جگہ ہے۔ سب سے نیچے قدموں میں ۔"(۴)

عزیز احمد کے ناولوں کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے ہاں صرف جنسی تسکین کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ عورت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ عورت کے جسمانی خطوط اور ان سے فیض حاصل کرنے کا فن مرد کے پاس ہو بس۔ اس کے ہاں عورت مرد کے لیے اپنی حیوانیت کے ہوس کے حوالے سے ہی اہم ہے۔ اس ھوالے سے سلیم اختر لکھتے ہیں :

"مطالعہ زن کے ضمن میں بالعموم رومانی اندازِ نظر ، شاعرانہ اسلوب، ایک خاص نوع کی رنگین مزاجی بلکہ چسکے سے کام لیا گیا ہے۔"(۵)

عصمت چغتائی کے ناول "ٹیڑھی لکیر"کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عورت کے جنسی جذبے میں گھٹن کا ماحول اس جذبے کو زیادہ ابھارتا ہے۔عصمت جنسی جذبے کی دریافت کو مکمل رعنائیوں کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ وہ اپنی سوسائٹی کے گھروں اور خاندانوں کے پس منظر پروان چڑھتی ان جنسی حقیقتوں کو بڑی فن کاری سے بیان کرتی ہیں۔ان کے ہاں عنفوان شباب کی جنسی گھٹن، نفسیاتی دباؤ، جنسی ضروریات، آلودگیوں اور ذہنی الجھنوں کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔انھوں نے ان مسائل کو بےتکلفی اور مکمل آزادی کے ساتھ بیان کیا ہے جو بذاتِ خود ایک چونکا دینے والا عمل تھا۔ وجہ یہ ہے کہ جنس جیسے شجرِ

ممنوعہ قسم کے موضوع پر اُس دور میں لکھنا اور وہ بھی ایک عورت کے قلم سے ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔انھوں نے عورتون کے جذبات کو پہلی بار زبان دی۔ چوں کہ ترقی پسندوں کے ہاں جنسی جذبے کو مکمل دیانت دار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترقی پسندوں نے اس جذبے کو مکمل اور ترق پسندانہ نقطۂ نظر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصمت چغتائی کے ہاں یہی جذبہ کارفرما ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ہاں طبقہ اشرافیہ کی خواتین کی تصاویر اپنے روایتی رنگ میں نظرآتی ہیں ، ساتھ ساتھ جاگیردارانہ نظام کی بھی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اس ضمن میں ان کے نالوں "میرے بھی صنم خانے"، "آگ کا دریا"اور "آخر شب کے ہم سفر"سے کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ان ناولوں میں طبقہ اشرافیہ کی عورتوں کےمسائل اور میلانات کے حوالے سے ایک زوال آمادہ جاگیردارانہ سوچ پائی جاتی ہے، اس طبقے میں انگریزوں کی سربراہی میں قائم کیے گئے تعلیمی نظام کی وجہ سے تعلیم کے میدان میں روشن خیالی اور ترقی پسندانہ اقدار کی وجہ سے نہ صرف مردوں بکہ خواتین کو بھی خاص قسم کی سہولیات اور آزادی حاصل تھی۔مصنفہ کے ناولوں میں "غفران منزل"،"گل فشاں"،"لالہ رخ"،"چھتر منزل"،"سنگھاڑے والی کوٹھی"، "ارجمند منزل"اور"ووڈ لینڈ "کے اثرات سے لے کر کلبوں ، یونیورسٹیوں، کیمبرج اور آکسفورڈ میں قیام پذیر رہی ہیں۔ جو اتنی آزاد خیال ہیں کہ تاریخ، فلسفہ، سائنس، ابلاغ عامہ، آرٹ، کلچر، تہذیب اور سیاست پر گفتگو کرنے سے نہیں ہچکچاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین حیدر کی عورت معاشرے کو وسیع تر تناظر میں دیکھتی ہے۔ وہ مرد کے شانہ بشانہ چلتی ہوئی نظرآتی ہے۔ جس میں"آگ کا دریا"کی چمپک یا احمد اور چمپا کلی میرے بھی صنم خانے کی رخشندہ اور آخر شب کے ہم سفر کی جہاں آراء ،دیپالی اور آما شامل ہیں۔

جیلانی بانو کے ہاں عورتوں کے ایک رخ کے بجائے دو رخ بیان کیے گئے ہیں۔ قرۃ العین حیدر ان کے اندرون میں نہیں جھانکتیں جب کہ جیلانی بانو ان کی نفسیات کو بھی پوری طرح کھنگالتی ہیں۔ان کے ناول "ایوانِ غزل"میں جاگیردارانہ معاشرت میں عورت کے استحصال اور اس کے نفسیاتی مسائل کا گھرائی سےتجزیہ کیا گیا ہےوہ سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی پہلو کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں یہ اقتباس قابلِ داد ہے:

"وہ تیزی طراری، دوٹوک بات کرنے کی عادت کرامتی میں بھی آئی تھی۔وہ کسی بھی بات کے اوپری جمالیاتی پہلو کو بہت کم دیکھتی تھی۔ ہر بات کی اصلیت کی کھوج میں رہتی۔"(۶)

حیات اللہ انصاری کے ضخیم ناول "لہو کے پھول"میں عورت کے ہزارروپ نظرآتے ہیں، جن میں ایک طرف تو مزدور، اِن پڑھ، گنوار اور غریب کسان کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے تو دوسری طرف شہری اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی پڑھی لکھی اور روشن خیال بھی ہے۔ وہ نواب زادی اور بیگم صاحبہ بھی ہے تو طوائف، مظلوم، بے کس اور حسن کی دیوی بھی ہے ۔غرض ان کے ہاں عورت کے تمام روپ اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ کہیں کہیں یہی عورت رومانیت اور عشق و محبت کے ہزار رنگوں سے مزّین نظرآتی ہے جس میں سانولی، سلیمہ اور فریدہ وغیرہ شامل ہیں۔

عبداللہ حسین، شوکت صدیقی، نثار عزیز بٹ، جمیلہ ہاشمی ،رضی فصیح احمد، ممتاز مفتی اورخدیجہ مستورکے ہاں مختلف طبقات کی عورتوں کے مسائل ، معاشی حیثیت، مشرقی معاشرت اور روایتی زندگی کی عکاسی ہوئی ہے۔ عبداللہ حسین کے ناول"اداس نسلیں"کی عورتیں جذباتی انداز کی ہیں۔اس ناول مین دو طبقے ہیں۔ ایک جاگیردارانہ نظام ہے جب کہ دوسرا متوسط طبقہ۔"عذرا "ایک ایسا کردار ہے جو جاگیردارانہ نظام کی چشم و چراغ ہونے کے باوجود متوسط طبقہ کی خواتین کی طرح نشست و برخاست رکھتی ہے۔ "عذرا" قرۃ العین حیدر کی خواتین کی طرح"ممی ڈیڈی"کلچر والی نہیں بلکہ اس کے پاؤں زمین پر ہیں۔ وہ جاگیرداراور متوسط طبقے کے درمیان توازن کا ایک دل کش نمونہ ہے۔اس ناول میں کسانوں اور مزدوروں کی عورتیں بھی ہیں جو محنت کش ہیں۔ "شیلا"ایسا ہی ایک کردار ہے جو معاشرتی اقدار کے تلے دبے ، کچلے اور متوسط طبقے کے ہاتھوں استحصال کا شکارہوتی رہی۔

جمیلہ ہاشمی کا ناول "تلاشِ بہاراں"کی کنول کماری ٹھاکر ایک آدرشی روپ میں نظر آتی ہے۔وہ عورتوں کو اس پدرانہ نظام میں مردوں کے برابر درجہ دینے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا لیتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور پاشا لکھتے ہیں :

"عوتروں کی مظلومیت، ان کے استحصال،ان کی بےبسی اور مضبوطی کا مصنفہ کو شدت سے احساس ہے۔ وہ اس ناول میں ان حالات میں اصلاح کے لیے خواتین کو خود اپنی صلاحیتوں قابیتوں اور اپنے اندر موجود جوہر کو جلا دینے کی تلقین کرتی ہیں ۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ عورتیں کسی معاملے میں مردوں سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ وہ اپنے اندر چھپے جوہر اور اپنی صلاحیتوں کو پہچان لیں۔ اس مقصد کے تحت مصنفہ نے اس ناول میں ایک مثالی کردار کنول کماری ٹھاکر سنوارا اور نکھارا ہے۔"(۷)

ظاہر ہے کہ اس ناول میں عورت کے کئی روپ نظر آئے ہیں لیکن ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ ایک ایسا کردار تخلیق کیا گیا ہے ھو عورت کو بطور ایک توانا کردار کے پیش کرتا ہے اور یہی جیلانی بانوکی خاصیت ہے۔

رضیہ فصیح احمد نے پاکستانی عورتوں کے مسائل اور ان کی سماجی حیثیت کو اپنے ناولوں"آبلہ پا" اور "انتظار موسم گل"میں انتہائی دیانت داری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مردوں کی بالادستی سے مملو اس معاشرہ کی عورتوں کی قربانیوں کے حوالے سے ایک کردار"صبا"احتجاجی رویہ اختیار کر لیتی ہے جو لڑکیوں کی بیداری اور خود اعتمادی کی علامت کے طور پر عزم و ہمت کی عکاسی کرتا ہے۔ رضیہ فصیح احمد کی نظر میں پاکستانی معاشرہ کا دوہرا معیار بھی یہی ہے کہ یہاں مردوں اور عورتوں کے دوالگ الگ پیمانوں میں ماپا جاتا ہے۔

خدیجہ مستور کے ناول "آنگن "میں متحدہ ہندوستان کے مسائل اور زوال آمادہ معاشرت کو بڑی خوبی اور مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کی اہم بات ماضی کی خوش گوار یادیں اور حال کی تلخیاں محرومیاں ہیں جو عورت کی زندگی کی بےبسی اور گھٹن کو نمایاں کرتی ہیں۔ اس رویہ کی عکاس عورتوں مین "تہمینہ"اور "کسم دیدی"ہیں جو خود کشی کی صورت میں استحصالی نظام کے منہ پر ایک تھپڑ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ممتاز مفتی کے آپ بیتی نما ناول "علی پور کا ایلی"میں عورت کا تصور مظلوم اور بے بس انداز میں سامنے آتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ا ن کے خلاف لوٹ کھسوٹ روایت کا حصہ ہے۔ جہاں کے مرد عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ دوسری شادی ہوتے ہی پہلی بیوی کے ساتھ نوکرانی سے بھی بدتےر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

نثار عزیز بٹ کے ناول"کاروان وجود"میں قیامِ پاکستان سے لے کر ۱۹۶۵ء کی جنگ تک کے عرصے کو موضوع بنایاگیا ہے۔ جہاں"سارا"جیسے کردار کو شکست خواب کے عذاب میں مبتلا دکھایا گیا ہے۔خالص مسلمان عورتوں کو تنومند اور صاف گو دکھایا گیا ہے۔ ان کے ہاں عورت کے ذہن اور دل میں جدت و روایت کا عجیب و غریب تصادم دکھایا گیا ہے۔

یہاں تک اردو ناول میں تصورِ عورت کے حوالے سے کی گئی بحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ معاشرہ میں عورت کے حوالے سے اوپر بیان کیے گئے ناول نگاروں کے احساسات و جذبات میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے جو ا س بات کا غماز ہے کہ عورت ہر دور میں مختلف حیثیتوں سے معاشرتی اقدار میں اپنے وجود کے حولاے سے مسائل کا شکاررہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افتخار احمدصدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی: احوال و آثار،مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء،ص۳۲۸
۲۔ ڈاکٹرسید لطیف حسین لطیف، رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری، انجمن ترقی ادب، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۵۳
۳۔ عزیز احمد ، ترقی پسند ادب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۴۵ء،ص۹۹

۴۔ کرشن چندر، شکست، آئینہ ادب،لاہور، س ن، ص۲۱۶
۵۔ ڈاکٹر سلیم اختر، مشمولہ عورت، تشخص اور تخلیقی تناظر، مشمولہ، فنون، لاہور، جولائی ۱۹۹۸ء تا مارچ ۱۹۹۹ء
۶۔ جیلانی ، بانو، ایوانِ غزل، فرینڈز پبلشرز، کراچی،س ن، ص۳۸۸
۷۔ ڈاکٹر انور پاشا، ہند و پاک میں اردو ناول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۹ء،ص۱۴